مرزا خلیل احمد بیگ

اردو زبان کی سماجی اور تہذیبی جڑیں

Social and cultural Roots of Urdu Language

Mirza Khalil Ahmed Baig, Former Professor and Chairman Department of Lingustics, Muslim University Alighar, India.

Abstract:

A language is known with reference to its social and cultural bindings of a geographical area which gives language a basis for identity. Keeping this into mind, the paper presents a historical overview of social and cultural bindings of Urdu language.

The result of this overview is that the people belonging to any part of India who speak Urdu share a common cultural attitude and character. In Urdu we not only find a unified culture of India but we also experience the influence of regional culture and civilization. As Urdu, has its own accent, pronunciation and vocabulary, it also has the representation of regional civilization along with its social life.

We find Arabic and Persian linguistic elements in Urdu that give a way to Arab's and Iran's literature to infuse in Urdu literature. However, this infusion never changed the 'Hind-Arai' nature of Urdu language. The influence of Arabic and Persian language and literature on Urdu is considered as an addition that brought beauty to Urdu language and literature but this influence never altered the attitude and character of Urdu language.

(۱)

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اردو زبان کی سماجی اور تہذیبی جڑیں کہاں پیوست ہیں؟ یعنی کن سماجی، تہذیبی اور فکری بنیادوں پر اردو زبان کی عمارت استوار ہے؟ غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر زبان اپنے سماجی اور تہذیبی رشتوں سے پہچانی جاتی ہے، اور اس کی سماجی اور تہذیبی جڑیں اس سرزمین میں پیوست ہوتی ہیں جو اس کی اصل و اساس ہوتی ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اردو ایک خالص ہندوستانی زبان ہے اور اس کی سماجی اور تہذیبی جڑیں ہندوستان کی ہی سرزمین میں پیوست ہیں۔ اردو کا خمیر یہیں کی مٹی سے تیار ہوا ہے۔ یہیں کی دھرتی نے اسے جنم دیا ہے اور یہیں کی فضا اور ماحول میں اس نے آنکھیں

کھولیں اور ہوش سنبھالا ہے اور یہیں کی بو باس اور رنگ روپ اختیار کیا ہے۔ چناں چہ اردو کی سماجی اور تہذیبی جڑوں یا بنیادوں کا ہندوستان کی فضا، فکر اور مزاج سے استوار ہونا ایک لازمی امر ہے۔

زبان اظہارِ خیال کا ایک بہترین وسیلہ تو ہے ہی۔ اس کے علاوہ یہ ایک سماجی اور تہذیبی مظہر بھی ہے۔ زبان سماج میں ہی پھلتی پھولتی اور پروان چڑھتی ہے اور تہذیب سے اس کا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ اسی لیے زبان اور اس کے ادب میں سماج کا عکس نظر آتا ہے اور تہذیب کی نقش گری پائی جاتی ہے اور اسی لیے غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اردو زبان و ادب میں ہندوستانی تہذیب کی روح سمٹ کر آ گئی ہے۔ اس میں ہندوستانی تہذیب کی ہر کروٹ اور سماج کی دھڑکن کو منعکس کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ اردو کی خواہ لسانی تاریخ ہو یا اس کا لسانی ڈھانچا یا محض اس کا ادبی پیکر۔ اس زبان کے ہر مرحلے میں ہمیں ہندوستانی تہذیب کے خط و خال نظر آتے ہیں جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔

(۲)

تاریخی اور نسلی اعتبار سے اردو سرزمین ہند کی اس قدیم زبان کا تسلسل یا توسیع ہے جسے آریوں کی ابتدائی تہذیب نے جنم دیا تھا اور جسے 'سنسکرت' کہتے ہیں۔ سنسکرت ایک قدیم ہندوستانی زبان تھی، اردو ایک جدید ہندوستانی زبان ہے۔ دونوں کا تعلق ہند آریائی نسل سے ہے۔ دونوں کا تاریخی ارتقا شمالی ہندوستان کے سماجی اور تہذیبی تناظر میں ہوا۔ لیکن دونوں میں تقریباً ڈھائی ہزار سال کا زمانی فاصلہ ہے۔

۱۵۰۰ قبلِ مسیح میں جب آریائی نسل کے لوگ ہندوستان کے شمال مغربی خطے میں وارد ہوئے تو یہاں ایک نئی تہذیب پروان چڑھی جس نے جلد ہی سنسکرت جیسی صاف ستھری، شائستہ اور منضبط زبان کو جنم دیا۔ پھر ڈھائی ہزار سال کی تہذیبی کروٹوں اور لسانی تبدیلیوں کے بعد اس خطۂ ارض میں اردو پیدا ہوئی۔ لہٰذا اردو کی جڑیں ہندوستان میں اتنی ہی گہری اور پائیدار ہیں جتنی کہ کسی دوسری جدید ہند آریائی زبان کی۔ سنسکرت کے ارتقا اور فروغ کا زمانہ قدیم ہند آریائی عہد کہلاتا ہے جو ۱۵۰۰ قبلِ مسیح سے لے کر ۵۰۰ قبلِ مسیح تک قائم رہتا ہے۔ اس عہد میں سنسکرت زبان تو معرضِ وجود میں آتی ہی ہے، اس کی دو شکلیں بھی یکے بعد دیگرے نمودار ہوتی ہیں جنھیں ویدک سنسکرت اور کلاسیکی سنسکرت کہتے ہیں۔ ویدک سنسکرت میں وید تصنیف کیے گئے اور کلاسیکی سنسکرت میں ادب کی تخلیق عمل میں آئی۔ جیسے جیسے آریا لوگ ایک منظم معاشرے کی شکل اختیار کرتے گئے اور انھیں استحکام حاصل ہوتا گیا، وہ شمال مغرب سے مشرق کی جانب بڑھتے گئے۔ اور رفتہ رفتہ ہندوستان کے ایک بڑے علاقے (شمال مغرب تا مشرق) میں پھیل گئے۔ چناں چہ آج پنجاب اور سندھ سے لے کر بنگال، آسام اور اڑیسہ تک جدید ہند آریائی زبانوں کا جو

جال بچھا ہوا ہے وہ آریوں کے اسی تہذیبی پھیلاؤ کا نتیجہ ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قدیم ہند آریائی عہد میں علاقائی سطح پر شمال مغرب تا مشرق سنسکرت زبان کی تین شکلیں رائج تھیں، جنھیں ادیچیہ، پراچیہ اور مدھیہ دیشہ کہتے ہیں۔ ادیچیہ شمال مغربی خطے کی بولی تھی، پراچیہ کا چلن مشرق میں تھا اور مدھیہ دیشہ، ادیچیہ اور پراچیہ کے درمیانی علاقے کی بولی تھی۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں بعد کے دور میں شور سینی پراکرت پروان چڑھی جس سے شور سینی اپ بھرنش نکلی اور جس سے پھر مغربی ہندی کی بولیاں وجود میں آئیں جن میں سے ایک بولی، کھڑی بولی، اردو کی پیدائش کا سبب بنی۔ قدیم ہند آریائی دور کا ایک اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اس دور کے اواخر میں سنسکرت زبان کا ایک جیّد عالم اور قواعد داں پانِنی پیدا ہوتا ہے جو سنسکرت صوتیات اور قواعد کی شہرۂ آفاق کتاب ''اشٹا دھیائی'' تصنیف کر کے لسانیات کی دنیا میں شہرتِ دوام حاصل کرتا ہے۔ جدید اردو کی صوتیات و قواعد کی بہت سی باریکیوں، نکتوں اور اصولوں کی بنیاد اور اصل و اساس یہی کتاب ہے۔ ۵۰۰ قبلِ مسیح میں قدیم ہند آریائی عہد کے خاتمے کے ساتھ ہندوستان کی لسانی اور تہذیب کا ایک دور مکمل ہو جاتا ہے۔ ہمارے لیے یہ دور اس لیے اہم ہے کہ اردو کا خمیر یہیں سے تیار ہونا شروع ہوتا ہے۔

سنسکرت کے بعد پراکرتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یہ ہند آریائی کا وسطی عہد ہے جو ڈیڑھ ہزار سال (۵۰۰ قبلِ مسیح تا ۱۰۰۰ عیسوی) کے عرصے پر محیط ہے۔ قدیم ہند آریائی عہد میں ہندوستان کے شمال مغربی خطے سے لے کر مشرقی حصے تک جن جن علاقوں میں سنسکرت زبان رائج تھی ان علاقوں میں وسطی ہند آریائی عہد میں پراکرتوں کا چلن عام ہوتا ہے۔ پراکرت الگ سے کوئی زبان نہ تھی بلکہ سنسکرت زبان میں ہی مختلف النوع صوتی اور دیگر لسانیاتی تبدیلیوں کے زیرِ اثر اس کا وجود عمل میں آیا تھا۔ ۵۰۰ قبلِ مسیح تک پہنچتے پہنچتے سنسکرت متروک قرار دی جا چکی تھی اور اس کی جگہ پراکرتوں نے لینا شروع کر دی تھی۔ پراکرت ایک سادہ، آسان اور فطری زبان تھی جسے عوام میں بے حد مقبولیت حاصل تھی۔ وسطی ہند آریائی عہد میں پراکرتوں کے ارتقا کے تین مراحل سامنے آتے ہیں جنھیں پہلی پراکرت، دوسری پراکرت اور تیسری پراکرت کہا گیا ہے۔

پہلی پراکرت پالی اور اشوک کے کتبوں کی زبان پر مشتمل ہے۔ دوسری پراکرت میں ادبی پراکرتیں شامل کی گئی ہیں اور تیسری پراکرت سے مراد اپ بھرنشیں ہیں۔ پالی کا تعلق بدھ مذہب سے بہت گہرا رہا ہے۔ بدھ مذہب کے فروغ میں اس زبان نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بدھ مذہب سے متعلق تمام تر مذہبی تصانیف پالی ہی میں محفوظ ہیں۔ اشوک کے کتبوں کی زبان اگرچہ پراکرت تھی لیکن یہ کسی ایک نہج پر قائم نہ تھی۔ اس میں

علاقائی لسانی خصوصیات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ پراکرتیں جب ترقی کر گئیں تو ادبی شکل اختیار کرنے لگیں، چناں چہ ماہرین نے ادبی پراکرتوں کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں جن کے نام ہیں، شورسینی پراکرت، ماگدھی پراکرت، اردھ ماگدھی پراکرت، مہاراشٹری پراکرت اور پشاچی پراکرت۔ ان میں سے شورسینی پراکرت سب سے زیادہ مقتدر تسلیم کی گئی ہے۔ یہ شورسین دیس (جس کا مرکز موجودہ یوپی کا شہر متھرا تھا) کی زبان تھی۔ اس کا علاقہ وہی تھا جو قدیم ہندآریائی عہد میں مدھیہ دیشہ کا تھا۔ شورسینی پراکرت سنسکرت سے گہرے طور پر متاثر تھی۔ سنسکرت کے بعد سماج کے اعلیٰ طبقوں میں اسی پراکرت کا رواج تھا۔ بعد کے دور میں شورسینی پراکرت کے علاقے میں شورسینی اپ بھرنش کا چلن عام ہوا جس سے مغربی ہندی کی بولیاں وجود میں آئیں اور اردو کی پیدائش کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ ادبی پراکرتیں تقریباً چھے سو سال تک پھلتی پھولتی ہیں لیکن چلن کی وجہ سے ان میں تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے اور ان کی ہیئت بگڑ جاتی ہے۔ یہی بگڑی ہوئی یا 'بھرشٹ' زبان اپ بھرنش کہلاتی ہے۔ چناں چہ جن جن علاقوں میں پراکرتیں رائج تھیں وہاں اپ بھرنشوں کا ارتقاعمل میں آتا ہے۔ اس طرح پورے شمالی ہندوستان میں شمال مغرب تا مشرق اپ بھرنش کی چھے شکلیں رائج ہوجاتی ہیں جن کے نام ہیں، شورسینی اپ بھرنش، ماگدھی اپ بھرنش، اردھ ماگدھی اپ بھرنش، مہاراشٹری اپ بھرنش، بڑاچداپ بھرنش اور کیکیئی اپ بھرنش۔ اردو کا تعلق شورسینی اپ بھرنش سے ہے کیونکہ اسی کے بطن سے ۱۰۰۰ عیسوی کے لگ بھگ مغربی ہندی کی بولیاں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے کھڑی بولی اردو کے معرضِ موجود میں آنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

ہندآریائی کا عہدِ جدید ۱۰۰۰ عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب اپ بھرنشوں کا وجود ختم ہونے لگتا ہے اور ان کی جگہ شمالی ہندوستان میں بھانت بھانت کی بولیاں سر اٹھانے لگتی ہیں نت نئی زبانیں معرضِ وجود میں آتی ہیں۔ تاریخ کے ٹھیک اسی موڑ پر شمالی ہندوستان میں مسلمان وارد ہوتے ہیں جو ملکِ ہند کی مناسبت سے یہاں کی بولیوں کو 'ہندی' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جارج گریرسن شمالی ہند میں پھیلی ان بولیوں کو علاقائی بنیادوں پر دو زمروں میں تقسیم کرتا ہے، مغربی ہندی اور مشرقی ہندی۔ 'مغربی ہندی' دراصل کسی مخصوص زبان کا نام نہیں بلکہ یہ ان پانچ بولیوں کے مجموعے کا نام ہے جو براہِ راست شورسینی اپ بھرنش سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے نام ہیں کھڑی بولی، ہریانوی، برج بھاشا، بندیلی اور قنوجی۔

اردو جو ایک جدید ہندآریائی زبان ہے براہِ راست کھڑی بولی سے تعلق رکھتی ہے۔ کیوں کہ یہ کھڑی بولی کا ہی نکھرا ہوا روپ ہے اور اسی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ پروفیسر گیان چند جین اپنے ایک مقالے ''اردو کے آغاز کے نظریے'' میں اسی بات پر شدت کے ساتھ زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

''اردو کی اصل، کھڑی بولی اور صرف کھڑی بولی ہے۔ کھڑی بولی دہلی اور مغربی یوپی کی بولی ہے۔'' [1]
جارج گریرسن اپنے ''لسانیاتی جائزۂ ہند'' میں کھڑی بولی کو 'ہندوستانی' کے نام سے پکارتا ہے اور اردو کو 'ادبی ہندوستانی' (Literary Hindustani) کہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کی اصل و اساس کھڑی بولی ہے اور اس کا ڈھانچا اور کینڈا سب کچھ کھڑی بولی کا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اردو اسی قدیم زبان کا تسلسل ہے جسے سنسکرت کہتے ہیں اور جس کی جڑیں قدیم ہندوستان کی تاریخ و تہذیب میں پیوست ہیں۔

(۳)

اردو کی لسانی تاریخ سے قطعِ نظر، جب ہم اردو کی لسانی ساخت اور اس کے ڈھانچے اور کینڈے پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں انڈک (Indic) یا ہند آریائی عناصر کے نقوش بالکل صاف نظر آتے ہیں۔ یہ عناصر ہمیں اس ہند آریائی تہذیب کی یاد دلاتے ہیں جو آریوں کے داخلۂ ہند کے بعد سے یہاں پنپنا شروع ہوئی۔ یہ اسی تہذیب کا نتیجہ ہے کہ اردو کی بیشتر لسانیاتی خصوصیات کا سلسلہ اپ بھرنش اور پراکرت سے ہوتا ہوا سنسکرت سے جا کر مل جاتا ہے۔

سب سے پہلے ہم اردو کے صوتی ڈھانچے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ آج کی معیاری اردو میں ۴۸ صوتیے (Phonemes) پائے جاتے ہیں۔ صوتیے کسی زبان کی وہ ممیز آوازیں (Distinctive Sound Units) ہوتی ہیں جن کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً 'پانی' اور 'بانی'۔ ان میں 'پ' اور 'ب' کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ دونوں اردو زبان کے دو صوتیے یعنی دو ممیز آوازیں قرار دی جائیں گی۔ اردو کے ۴۸ صوتیوں میں سے ۳۸ مصمتے (Consonants) اور ۱۰ مصوتے (Vowels) ہیں۔ ان دس مصوتوں میں دو دوہرے مصوتے (Diphthongs) بھی شامل ہیں۔ اردو کے تمام مصوتے پراکرت اور اس کے توسط سے سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح مصمتوں کی ایک بڑی تعداد بھی سنسکرت اور پراکرت سے اردو میں داخل ہوئی ہے۔ خالص عربی و فارسی مصمتے اردو میں صرف چھے ہیں، یعنی: ق، ف، ز، ژ، خ اور غ۔

اردو کے صوتیاتی نظام میں ہائیہ اور معکوس آوازوں کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے بغیر اردو زبان کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اردو صوتیات اور اردو زبان کا جزوِ لاینفک ہیں۔ ہائیہ اور معکوس آوازیں بھی اردو کے صوتیے ہیں اور ان کی حیثیت مصمتوں (Consonants) کی ہے۔ اردو کے ۳۸ مصمتوں میں سے گیارہ ہائیہ آوازیں (Aspirates) ہیں، مثلاً: پھ، بھ، تھ، دھ، ٹھ، ڈھ، چھ، جھ، کھ، گھ اور

ڑھ۔ ان کے علاوہ بھی اردو میں چار ہائیہ آوازیں مستعمل ہیں جو یہ ہیں: مھ (تمھارا)، نھ (ننھا)، لھ (دولھا) اور رھ (سرھانا)۔ لیکن بیشتر ماہرینِ صوتیات کے نزدیک ان کی حیثیت صوتیوں کی نہیں ہے۔ ان چار آوازوں کو شامل کرنے کے بعد اردو کے ہائیہ آوازوں کی تعداد ۱۵ ہو جاتی ہے۔ یہ تمام آوازیں ہند آریائی مآخذ مثلاً سنسکرت، پراکرت اوراپ بھرنش سے اردو میں آئی ہیں۔ ان میں سے کسی بھی آواز کا عربی، فارسی یا ترکی زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح اردو کے صوتیاتی نظام میں معکوسی آوازیں (Retroflex Sounds) یا معکوسی صوتیوں کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ ان سے اردو زبان کا ایک خاص صوتی آہنگ تشکیل پاتا ہے جو اردو کے صوتی مزاج کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اردو کی معکوسی آوزیں چھے ہیں جن میں سے تین غیر ہائیہ معکوسی آوازیں مثلاً: ٹ، ڈ، ڑ اور تین ہائیہ معکوسی آوازیں، مثلاً: ٹھ، ڈھ، ڑھ ہیں۔ ہائیہ آوازوں کی طرح یہ آوازیں بھی ہند آریائی ماخذ سے اردو میں داخل ہوئی ہیں اور اردو صوتیات کا جزوِ لاینفک ہیں۔ اگر ان آوازوں کو اردو سے خارج کردیا جائے تو یہ زبان توتلی ہو کر رہ جائے گی۔

علاوہ ازیں اردو میں ۱۴ ایسی آوازیں بھی پائی جاتی ہیں جو ہند آریائی، عربی اور فارسی میں مشترک ہیں۔ یعنی اردو میں ان کا ارتقا ہند آریائی ماخذ سے بھی ہوا ہے اور عربی و فارسی سے بھی، لیکن اردو میں ان آوازوں پر مشتمل عربی و فارسی الفاظ کی تعداد، ان آوازوں سے تشکیل شدہ ہند آریائی الفاظ کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ یہ آوازیں ہیں: ب، ت، د، ج، ک، م، ن، ل، ر، س، ش، ہ، و، ی۔ ان کے علاوہ اردو میں ہند آریائی کی تین آوازیں اور بھی ہیں جو فارسی میں بھی پائی جاتی ہیں یعنی پ، چ اور گ۔ لیکن ان آوازوں سے بننے والے ہند آریائی الفاظ کی تعداد بھی اردو میں ان آوازوں پر مشتمل فارسی الفاظ کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔

اصوات کے علاوہ اردو کے ذخیرۂ الفاظ کا ایک بڑا حصہ بھی ہند آریائی ماخذ پر مشتمل ہے۔ جن میں سب سے زیادہ تعداد 'تدبھو' الفاظ کی ہے۔ سنسکرت کے الفاظ جب اپنی بدلی ہوئی حالت میں استعمال ہوتے ہیں تو 'تدبھو' کہلاتے ہیں۔ تدبھو الفاظ کی بنیاد اگرچہ سنسکرت یا قدیم ہند آریائی پر قائم ہے لیکن وسطی ہند آریائی یعنی پراکرت میں پہنچ کر ان کی شکل وصورت اور روپ میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ سنسکرت کے یہی بدلے ہوئے الفاظ تدبھو کہلاتے ہیں۔ سنسکرت کے الفاظ جب بغیر کسی تبدیلی یا رد و بدل کے اپنی اصلی حالت میں استعمال ہوتے ہیں تو 'تتسم' کہلاتے ہیں، مثلاً: لفظ 'دگدھ' خالص سنسکرت لفظ ہے جو تتسم کہلاتا ہے، لیکن پراکرت کے لفظ 'ددّھ' کو جو 'دگدھ' سے ماخوذ ہے اور اسی کی

بدلی ہوئی شکل ہے تدبھو کہیں گے۔ جدید ہند آریائی یعنی اردو میں یہی لفظ 'دودھ' بن گیا جو تدبھو کی ایک دوسری شکل ہے۔ اردو میں تتسم الفاظ بہت ہی کم ہیں۔ اردو کے ذخیرۂ الفاظ کا بیشتر حصہ تدبھو الفاظ پر مشتمل ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے ''فرہنگِ آصفیہ'' کے حوالے سے اردو میں 'ہندوستانی' الفاظ کا تناسب ۱/۲ ۷۳ فی صد بتایا ہے جب کہ اردو میں عربی، فارسی اور ترکی الفاظ صرف ۱/۲ ۲۵ فی صد ہیں۔[۲] ایک فی صد یورپی الفاظ بھی اردو میں شامل ہیں۔ ہندوستانی یا ہند آریائی الفاظ اردو کے لیے ناگریز ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اردو کا کوئی بھی جملہ ہند آریائی الفاظ کے بغیر تشکیل نہیں دیا جاسکتا ہے۔ جب کہ ایسے بے شمار اردو جملے ترتیب دیے جاسکتے ہیں جن میں کوئی بھی عربی یا فارسی لفظ نہ آیا ہو۔ مثلاً ذیل کے جملے خالص ہند آریائی الفاظ پر مشتمل ہیں: (ا) وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ (۲) میں کل اپنے گھر جاؤں گا۔ (۳) آج تم سے ملنے یہاں کون آیا تھا؟ علاوہ ازیں ''رانی کیتکی کی کہانی'' (انشاء اللہ خاں انشاء) اور ''سریلی بانسری'' (آزاد لکھنوی) اردو نثر و نظم کی دو ایسی کتابیں ہیں جن میں ایک بھی عربی یا فارسی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اردو کا بنیادی ذخیرۂ الفاظ ہند آریائی ہے۔ اس کے علاوہ قرابت داری کے الفاظ مثلاً: ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی، نانا، نانی، دادا، دادی، چچا، تایا وغیرہ، اعداد مثلاً: ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھے، سات، آٹھ، نو، دس، بیس، سو وغیرہ، فعلی مادے مثلاً: آ، جا، کھا، پی، چل، سن، دیکھ وغیرہ، ضمائر مثلاً: وہ، تم، میں، ہم، تو، آپ وغیرہ، اور حروفِ جار مثلاً: کو، پر، تک، سے، میں وغیرہ بھی ہند آریائی ماخذ ہی سے اردو میں داخل ہوئے ہیں جن کی حیثیت بھی بنیادی ذخیرۂ الفاظ کی ہے۔ مفرد الفاظ کے علاوہ مرکب الفاظ اور مرکب افعال کی تعداد بھی اردو میں کچھ کم نہیں جن کی بنیاد ہند آریائی ہے۔ اسی طرح ہند آریائی سے تعلق رکھنے والے محاوروں، ضرب الامثال اور روزمرہ کی تعداد بھی اردو میں کثیر ہے۔

(۴)

زبان کی لسانیاتی سطح سے قطعِ نظر، اس کی ایک سطح وہ ہوتی ہے جو اس کی ادبی سطح کہلاتی ہے۔ ادبی سطح پر بھی زبان کی جڑیں سماج اور تہذیب میں بہت گہری پیوست ہوتی ہیں۔ سماج کی ہر دھڑکن اور تہذیب کی ہر کروٹ زبان کے وسیلے سے ادب میں منعکس ہوتی ہے۔ گویا زبان و ادب سماج اور تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اردو کی جڑیں چوں کہ ہندوستانی تہذیب میں بہت گہری پیوست ہیں لہٰذا اس کے ادب میں ہندوستانی تہذیب کے عناصر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔

اردو ادب کے قدیم ترین نمونے جو شمالی ہندوستان اور دکن میں دستیاب ہوئے ہیں ان میں صوفی شعراء کا کلام بھی شامل ہے۔ جن کی بحر عموماً ہندی ہے۔ اردو کے بعض قدیم شعراء نے دوہے کا استعمال بھی کیا ہے۔ مثلاً امیر خسرو (م ۱۳۲۵ء) کا ہندوی کلام دوہے کی شکل میں بھی ملتا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے سودا، حاتم، انشاء، جرأت، نظیر، سب کے یہاں دوہوں کے نشان دہی کی ہے [۳] اسی طرح بعض دکنی شعراء نے چوپائی کی بحر بھی استعمال کی ہے۔ دوہے اردو کے جدید شعراء نے بھی لکھے ہیں جن میں جمیل الدین عالی کا نام سرِ فہرست ہے۔ اس طرح اردو شاعری پر ہندوستانیت کی چھاپ بہت صاف نظر آتی ہے۔

اردو ادب پر ہندو دیو مالا یا ہندوستانی اساطیر (Indian Mythology) کا بھی گہرا اثر رہا ہے۔ دکنی ادب میں اس کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جدید اردو فکشن میں راجندر سنگھ بیدی کے یہاں ہندوستانی اساطیر کا رنگ بہت گہرا ہے جس کا تجزیہ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اپنے ایک مضمون میں بہت خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ [۴] ہندوستانی اساطیر کے علاوہ ہندوستانی فکر، ہندوستانی مزاج اور ہندوستانی فلسفہ و اقدار کی عکاسی بھی اردو ادب میں بھر پور انداز میں ہوئی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اپنے ناول ''آگ کا دریا'' میں قدیم ہندوستان کی تہذیب و اقدار اور شعور و فلسفہ کو منعکس کرنے کی نہایت کام یاب کوشش کی ہے۔ ہندوستانی تہذیب کے دل کش نمونے میر انیس کے مرثیوں تک میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ میر انیس کے بارے میں نقادوں کی یہ عام رائے ہے کہ انھوں نے اپنے کرداروں کو ہندوستانی رنگ میں رنگ کر پیش کیا ہے اور ان کا تہذیبی پس منظر، نیز ماحول اور فضا سب کچھ ہندوستانی ہے۔

اردو میں گیت نگاری کی روایت بھی شروع سے ملتی ہے۔ گیت نگاری کی ابتدا عوامی یا لوک گیتوں سے ہوئی جن میں ہندوستانی تہذیب کے مرقعے پیش کیے گئے۔ عظمت اللہ خاں نے گیت کو نئی جہات سے روشناس کرایا۔ اس کی بعد سے ادبی گیت نگاری کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور اردو کے اچھے شعراء اردو میں گیت لکھنے کی طرف مائل ہوئے جن میں میرا جی، حفیظ جالندھری، ساغر نظامی، ناصر شہزاد اور زبیر رضوی کے نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

اردو میں نظم نگاری کی بھی نہایت شاندار روایت رہی ہے۔ اس ضمن میں نظیر اکبرآبادی، حالی، محمد حسین آزاد، اقبال، چکبست، اسماعیل میرٹھی، جوش ملیح آبادی، ساغر نظامی، اختر شیرانی، فراق گورکھپوری اور آنند نرائن ملا کے نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ ان شعراء نے اپنی نظموں میں ہندوستان کی تہذیبی زندگی اور یہاں کی فضا اور ماحول کا بہترین عکس پیش کیا ہے۔ نظیر اکبرآبادی کو تو پروفیسر آل احمد

سرورؔ نے ''ہندوستانی تہذیب کا عاشق'' کہا ہے۔ عہدِ حاضر کی بعض نظموں کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا جن میں ہندوستانی فکر، مزاج اور فلسفے کو منعکس کیا گیا ہے۔ مثلاً: ''میں گوتم نہیں ہوں'' (خلیل الرحمٰن اعظمی)، ''آواگمن'' (عادل منصوری)، ''مکتی'' (قاضی سلیم)، ''سرسوتی'' (مظہر امام)، ''شگون'' (مخمور سعیدی)، ''پریت آتما'' (کمار پاشی)، ''پرماتما کے نام آتما کے پتر'' (محمد صلاح الدین پرویز)، ''یدھشٹھر'' (عنبرؔ بہرائچی) وغیرہ۔

ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کے ساتھ ساتھ اردو شعرا نے اپنے کلام میں ہندوستانی تلمیحات و اشارات اور ہندوستانی تشبیہات و استعارات کا بھی آزادانہ استعمال کیا ہے۔ اس کا سلسلہ دکن سے شروع ہوتا ہے اور محسنؔ کاکوروی کے یہاں اپنے عروج کو پہنچتا ہے جنھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں بھی خالص ہندوستانی تلمیحات سے کام لیا ہے۔ مثلاً:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

امیرؔ مینائی کہتے ہیں:

سانولی دیکھ کے صورت کسی متوالی کی
ہوں مسلماں، مگر بول اٹھوں جے کالی کی

اردو کے نئے شاعروں نے بھی ہندوستانی تشبیہات و علامات سے کام لیا ہے۔ چناں چہ خلیل الرحمٰن اعظمی ''مضامینِ نو'' میں لکھتے ہیں کہ:

> جدید تر شاعر نے پرانی علامتوں کو اپنی ذہنی کیفیات کے اظہار کے لیے ناکافی سمجھ کر خود اپنے ماحول اور زندگی سے علامتیں وضع کی ہیں اور اس نے اس سلسلے میں خود اپنے حواسِ خمسہ کو رہنما بنایا ہے۔ اس عمل میں اردو غزل اپنی دھرتی سے بہت قریب آ گئی ہے۔'' [۵]

نئی غزل کے یہ اشعار دیکھیے جن میں یہاں کی دھرتی کا لمس شامل ہے۔

وحید اختر: اگر ملا تو ملے گا دکھوں ہی میں نروان
سراغ اس کا عبادات میں نہ گیان میں ہے

مظفر حنفی: بچپن میں آکاش کو چھوٹا سا لگتا تھا
اس پیپل کی شاخیں اب کتنی نیچی ہیں

فضیل جعفری: اب نہ وہ گیت، نہ چوپال، نہ پنگھٹ، نہ الاؤ
کھو گئے شہر کے ہنگاموں میں حالات مرے

عبدالرحیم نشتر: کچھ مدھر تانیں فضا میں تھر تھرا کر رہ گئیں
دھان کے کھیتوں میں چنچل پنچھیوں کا شور تھا

محمد علوی: شوخ ہرنوں نے قلانچیں ماریں
مور کے رقص ہوئے جنگل میں

عبداللہ کمال لوٹ کر آؤں گا پھر گاؤں تمھارے اک دن
اپنے دروازے پہ اک دیپ جلائے رکھنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان و ادب میں ہندوستانی تہذیب کی بھرپور نمائندگی پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ، بقول پروفیسر گوپی چند نارنگ ''کسی بھی سماج کا تہذیبی اور فکری سرمایہ اس کے ادب میں جھلکتا ہے۔ ہر زبان کا ادب اپنے سماج کی دھرتی اور اس میں اتری ہوئی جڑوں کو کسی نہ کسی طرح سے ضرور پیش کرتے ہیں۔''[٦]

(۵)

اردو کو اگر ہندوستان کے سماجی لسانیاتی تناظر (Sociolinguistic Perspectives) میں رکھ کر دیکھا جائے تو اپنے بولنے والوں کے تناسب کے اعتبار سے یہ ہندوستان کی چھٹی بڑی زبان (Major Language) قرار پاتی ہے۔ جسے یہاں کے دستور میں بھی جگہ دی گئی ہے۔ دستورِ ہند کے آٹھویں شیڈول (Schedule VIII) میں دوسری جدید ہندوستانی زبانوں کے ساتھ اردو کا بھی ذکر ہوا ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی کل تعداد ۴،۳۴،۰۶،۹۳۲ (چار کروڑ چونتیس لاکھ چھے ہزار نو سو بتیس) تھی جو ہندوستان کی کل آبادی کا ۵ء۱۸ فی صد ہے۔ اردو ہندوستان کی کل آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ہندی، تلگو، بنگالی، مراٹھی اور تامل کے بعد چھٹے نمبر پر آتی ہے جب کہ گجراتی، کنٹر، ملیالم، اڑیا، پنجابی، کشمیری اور سندھی کا شمار بہ لحاظِ تناسب آبادی اردو کے بعد ہوتا ہے۔ اردو ہندوستان کے تمام صوبوں اور مرکز کے زیرِ انتظام علاقوں میں بولی جاتی ہے لیکن یہ کہیں کی بھی اکثریتی زبان نہیں۔[۷] ۱۹۵٦ء میں ہندوستان کے تمام صوبوں میں وہاں کی اکثریتی زبانوں کو علاقائی زبانوں (regional Languages) کا

درجہ دیا گیا۔ لیکن اقلیتی زبان ہونے کی وجہ سے اردو کو ہندوستان کے کسی بھی صوبے یا مرکز کے زیرِ انتظام علاقے میں علاقائی زبان کا درجہ نہیں ملا۔ لیکن اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اردو انھی علاقوں کی زبان ہے جہاں آج ہندی علاقائی زبان کی حیثیت سے رائج ہے۔ مثلاً اتر پردیش، بہار، دہلی، ہریانہ، مدھیہ پردیش، راجستھان وغیرہ۔ ان صوبوں میں آج اردو کی حیثیت علاقائی زبان کی نہ سہی، لیکن یہاں کی یہ ذیلی علاقائی زبان (Sub-regional Language) ضرور ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اردو ہندوستان کے کسی بھی صوبے یا مرکز کے زیرِ انتظام علاقے کی اکثریتی زبان نہیں ہے۔ لیکن بعض صوبوں میں بہ لحاظِ تناسبِ آبادی، یہ دوسری زبان کی حیثیت سے رائج ہے۔ مثلاً اتر پردیش میں یہ ہندی کے بعد دوسرے نمبر پر ہے اور اس کے بولنے والے اس صوبے کی کل آبادی کا ۸ء۹۸ فی صد ہیں۔ اس طرح یہ بہار میں بھی ہندی کی بعد دوسرے نمبر پر ہے اور س کے بولنے والے بہار کا کل آبادی کا ۹ء۸۹ فی صد ہیں۔ دوسرے صوبے جہاں اردو بہ لحاظِ تناسبِ آبادی دوسری زبان کا درجہ رکھتی ہے کرناٹک (اردو بولنے والے ۹ء۹۶ فی صد)، آندھرا پردیش (اردو بولنے والے ۸ء۳۶ فی صد)، اور مہاراشٹر (اردو بولنے والے ۷ء۸۱ فی صد) ہیں جہاں کی علی الترتیب کنڑ، تلگو اور مراٹھی اکثریتی زبانیں ہیں۔

بہ حیثیتِ مادری زبان اردو بولنے والوں کی تعداد آج ہندوستان میں ساڑھے چار کروڑ سے زیادہ ہے۔ یہ تعداد ہندوستان کے گجراتی، کنڑ، ملیالم، اُڑیا، پنجابی اور کشمیری بولنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے، لیکن یہ زبانیں اپنے اپنے صوبوں میں علاقائی یا اکثریتی زبان کا درجہ رکھتی ہیں۔ اردو جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ہندوستان کے کسی بھی صوبے یا مرکز کے زیرِ انتظام علاقے کے علاقائی یا اکثریتی زبان نہیں ہے، لیکن اردو بولنے والے ہر صوبے اور علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مادری زبان کے علاوہ اردو ثانوی زبان کی حیثیت سے بھی بولی جاتی ہے۔ اردو بہ طور ثانوی زبان بولنے والوں کی تعداد ہندوستان میں ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔ اردو ہندوستان گیر سطح پر اپنے بولنے والوں کے درمیان رابطے کا کام انجام دیتی ہے۔ اردو بولنے والے اگرچہ متعلقہ علاقائی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں لیکن ان کی تہذیبی اور ثقافتی ضروریات کو اردو ہی پورا کرتی ہے۔ پورے ہندوستان کے اردو بولنے والوں کو تہذیبی اور ثقافتی سطح پر جوڑنے اور ان میں رابط پیدا کرنے کا کام اردو ہی انجام دیتی ہے۔ اردو علاقائی حد بندیوں کو توڑ کر اور محدود جغرافیائی حدود کو عبور کر کے وسیع تر خطے کی زبان (Language of Wider Communication) اور متحدہ ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کی علم بردار بن گئی ہے۔ یہ اپنے بولنے والوں کے اجتماعی شعور اور مشترک تہذیبی اقدار کی بھی امین ہے۔

اردو بولنے والے خواہ ہندوستان کے کسی بھی صوبے یا علاقے میں کیوں نہ بستے ہوں ان کا تہذیبی مزاج اور تہذیبی کردار ایک ہوتا ہے۔ وہ اردو زبان کے رشتے سے ایک تہذیبی وحدت میں ڈھلے ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ اردو میں علاقائی تہذیب و ثقافت کی نمائندگی نہیں پائی جاتی۔ اردو میں ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی نمائندگی کے علاوہ علاقائی تہذیب و ثقافت کی بھی عکاسی پائی جاتی ہے۔ جس طرح اردو زبان کا اپنا علاقائی لہجہ، تلفظ، آہنگ اور لفظی سرمایہ ہے، اسی طرح اس کے ادب میں بھی علاقائی تہذیب کی نقش گری اور وہاں کی سماجی زندگی کی عکاسی پائی جاتی ہے۔ اردو کے بے شمار ادیبوں نے یوپی، بہار، بنگال اور پنجاب، نیز دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد اور بمبئی کو اپنی ادبی تخلیقات کا محور بنایا ہے اور اپنے کردار، موضوعات اور واقعات و جزئیات ان علاقوں سے لیے ہیں اور یہاں کی سماجی اور تہذیبی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی بہترین عکاسی کی ہے۔

آخر میں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ اردو زبان میں عربی و فارسی کے لسانی عناصر بھی پائے جاتے ہیں اور اردو ادب میں عرب و ایران کے بعض ادبی اثرات بھی نفوذ کر گئے ہیں۔ لیکن ان عناصر اور اثرات کی شمولیت کی وجہ سے اردو زبان و ادب کے ہند آریائی اور ہندوستانی کردار کی نفی نہیں ہوتی۔ اردو زبان و ادب پر عربی اور فارسی زبان و ادب کے اثرات ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے ہماری زبان اور ادب میں ایک امتیازی شان پیدا ہوتی ہے۔ ان سے اردو زبان کا بنیادی ہندوستانی مزاج یا کردار کسی بھی طرح متاثر یا مجروح نہیں ہوتا۔

حواشی

۱۔ گیان چند جین: ''اردو کے آغاز کے نظریے''، مشمولہ ''اردو زبان کی تاریخ''، مرتبہ مرزا خلیل احمد بیگ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۵ء، ص ۴۵۔

۲۔ گیان چند جین: ''لسانی مطالعے''، نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۱، ۱۸۲۔

۳۔ آل احمد سرور: ''اردو اور ہندوستانی تہذیب''، مشمولہ ''اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب''، مرتبہ کامل قریشی، دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص ۸۵۔

۴۔ دیکھیے گوپی چند نارنگ: ''بیدی کے فن کے استعاراتی اور اساطیری جڑیں''، مشمولہ ہندوستانی زبان، بمبئی، سال ۴، نمبر ۱، ۲، اکتوبر ۱۹۷۲ء۔

۵۔ خلیل الرحمٰن اعظمی: ''مضامینِ نو''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۷ء، ص ۸۴۔

۶۔ گوپی چند نارنگ: ''اردو غزل کے فکری سرمایے میں ہندوستانی ذہن کی کارفرمائی''، مشمولہ ''اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب''، مرتبہ کامل قریشی، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۹۔

۷۔ مردم شماری کے اعداد وشمار اور از ہندوستان میں اردو اور ہندی کی لسانی صورتِ حال سے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھیے، ''لسانی تناظر''، مرزا خلیل احمد بیگ، نئی دہلی، باہری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۰ تا ۱۵۲۔

فہرستِ اسنادِ محولہ

۱۔ مرزا، خلیل احمد بیگ: مرتب ''اُردو زبان کی تاریخ''، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۵ء۔
۲۔ چین، گیان چند: ''لسانی مطالعے''، نئی دہلی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۳ء۔
۳۔ کامل قریشی: مرتب ''اُردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب''، دہلی اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء۔
۴۔ خلیل الرحمٰن اعظمی: ''مضامینِ نو''، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۷ء۔
۵۔ مرزا خلیل احمد بیگ: ''لسانی تناظر''، دہلی، باہری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔

مجلّہ

☆ ہندوستانی زبان''، بمبئی، سال ۴، شمارہ نمبر ۱۔۲، اکتوبر ۱۹۷۲ء۔

0 --------- 0